**IQBAL REVIEW** (66: 2)
(April – June 2025)
ISSN: P0021-0773
ISSN: e3006-9130

# علامہ اقبال اوران کی قرآن فہمی

## Allāmah Iqbāl aur un kī Qurʾān-fahmī

پروفیسر محمد صدیق ظفر
گیریژن یونیورسٹی لاہور

## ABSTRACT

This article presents an in-depth exploration of Allama Muhammad Iqbal's profound relationship with the Qur'an, which began in his childhood and remained central to his thought and life. Iqbal considered the Qur'an not just a book of recitation, but a dynamic source of inspiration and guidance. He believed true understanding of the Qur'an could only come when one feels it is being revealed directly to them, a view passed on to him by his spiritually inclined father. The article highlights how the Qur'an was the foundation of Iqbal's philosophy, poetry, and sociopolitical thought, shaping his concepts of *Khudi* (selfhood), divine love, ethics, and his critique of Western materialism and Sufism.

Iqbal's lifelong devotion to the Qur'an was reflected in his regular recitation, emotional engagement with its

verses, and the tears he shed during its reading. He sought to reform Muslim societies through Qur'anic principles, advocating for educational reform, economic justice, spiritual awakening, and the revival of Islamic civilization. The article also discusses Iqbal's efforts to write a comprehensive commentary on the Qur'an and his correspondence expressing deep desire to systematize Qur'anic understanding for future generations. His critique of atheistic socialism, materialist philosophies, and stagnant traditionalism is rooted in his Qur'anic worldview. Ultimately, the article underscores that Iqbal's thought, poetry, and activism stemmed from the Qur'an, making him a unique voice in modern Islamic intellectual history whose mission was the revival of Islamic spirit and identity.

**Keywords**: Qur'an, Iqbal, Philosophy, Khudi, Spirituality, Revival, Critique, Civilization, Materialism, Identity

علامہ محمد اقبال کو بچپن ہی سے قرآن مجید ساتھ والہانہ لگاؤ تھا۔[۱] ان کے والد صاحب انھیں قرآن پڑھتے دیکھ کر کہتے کہ میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ یہ راز اس وقت کھلا جب انھوں نے بتایا کہ قرآن مجید اور اسلام کی خدمت کرو۔ قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے۔[۲]

اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ [۳]

(یہ رمضان وہ مہینہ ہے) جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو انسانوں کے لیے سراسر سرچشمۂ ہدایت ہے۔

قرآن کا مقصد نزول بیان کرتے ہوئے بتایا گیا:

اسے روح القدس نے اللہ کے حکم سے حق کے ساتھ مسلمانوں کی استقامت، ہدایت اور خوش خبری کے لیے اتارا۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى [۴]

قرآن مجید ایک سچی کتاب ہے اس میں کچھ شک نہیں۔

تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ [۵]

ایک دوسری جگہ قرآن مجید کی ہی حیثیت بیان کی گئی ہے۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ [۶]

اقبال قرآن کا شاعر ہے۔ اس کی زندگی میں قرآن مجید اسی طرح گردش کرتا ہے جیسے خون جسم میں گردش کرتا ہے۔ اس کی فکر کی بلندی، خیالات کی وسعت اور عمرانی علوم میں اتنی صاف دکھائی دیتی ہے جیسے ان پر وجدان والہام کی فراوانی ہو:

علامہ اقبال کے افکار کی صحت و صداقت کا واحد سبب ہی یہ ہے کہ ان کے تمام فکر و نظر کا سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ وہ اول و آخر قرآن مجید کے حقائق کی طرف متوجہ رہے۔ اسی سے ان کے دل و دماغ مستفیض ہوا، اور اس کی حکمت کو انھوں نے اپنے تمام افکار و نظریات کا منبع و مرجع بنایا۔ قرآن مجید کے اسرار و رموز کی آگہی سے ان کے اندر ایک ایسی بصیرت پیدا ہوگئی جس سے ان کا شعر ایک غیر معمولی قوت متاثرہ کا حامل بن گیا۔[۷]

ان کے والدین بھی دینی مزاج کے حامل تھے۔ وہ اپنے والد کے متعلق، عطیہ فیضی کو پہلی ملاقات کے چند روز بعد انگلستان میں یہ بتاتے ہیں کہ ان کے والد صاحب ایک قافلے کے بیمار آدمی کے علاج کے لیے سیالکوٹ سے باہر گئے۔ اقبال اس وقت چھوٹی عمر کے تھے۔ جب وہ قافلہ سیالکوٹ پہنچا تو بیمار آدمی بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔[۸]

ابتدا میں اقبال تصوف کے حق میں تھے، انھوں نے تصوف کی تاریخ اور تصوف کے بارے میں مختلف سلاسل کے عقیدے اور وظائف سیکھ رکھے تھے۔ ان کے والد کو روحانیت کا جو تجربہ تھا وہ اقبال کے سپرد کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے خواجہ حسن نظامی سے ایک خط میں قرآن مجید میں تصوف سے متعلق آیات کی صراحت کے ساتھ نشاندہی کے لیے استفسار کیا تھا اور کہا تھا کہ ہر آیت کے ساتھ اس کا سپارہ اور رکوع بھی تحریر کریں۔ مزید بر آں قاری شاہ سلیمان صاحب سے بھی گزارش کی تھی کہ وہ ان آیات کی نشان دہی کر دیں۔ تا کہ یہ ثابت ہو سکے کہ اسلام کا تصوف سے تعلق ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کوئی خاص مخفی تعلیم بھی دی گئی تھی۔[۹]

ان کے نزدیک کسی کی شرافت پرکھنے کا معیار یہی تھا کہ وہ قرآن سے کتنا قریب ہے اور یہ عطیہ خداوندی ہے کہ کسی کو قرآن سے کتنا انس ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[۱۰]

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

فرانس کے بعض اخباروں نے پان اسلام زم کی خبریں شائع کر کے اس کا خوف دلوں پر طاری کر دیا تھا۔ اقبال کہتے ہیں مسلمانوں کو قرآن مجید امن کی تعلیم دیتا ہے۔ علامہ اقبال کو قرآن شریف سے عمر بھر شغف رہا۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ: ”شخصی عنصر سے مراد وہ اشعار ہیں جن میں مصنف کے ذاتی حالات و اکتساب فیض کا اشارہ یا ذکر ہے۔ میں نے یہ لفظ خود ہی وضع کیا ہے اردو زبان میں مروج نہیں ہے۔ اس کو انگریزی اصطلاح Personal Element سے بیان کیا جاتا ہے۔“[۱۱]

علامہ اقبالؒ کی زندگی کی ذاتی حیثیت یہی تھی کہ وہ قرآن کی تلاوت کے بغیر یا قرآن پر غور و خوض کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عام مسلمانوں کے برعکس یہ بہت بڑا دعویٰ کیا ہے: ”اگر میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہوں تو مجھے ختم کر دیا جائے اور قوم کو میرے شر سے محفوظ رکھا جائے۔ نیز مجھے قیامت کے روز رسوا کر دیا جائے اور اپنی پابوسی سے بھی محروم کر دیا جائے۔“[۱۲]

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردہ ناموس فکرم پاک کن
اس خیاباں راز خادم پاک کن

روز محشر خوار و رسوا کن مرا
بی نصیب از بوسۂ پا کن مرا

علامہ اقبال کو صرف قرآن مجید سے ہی عشق نہیں تھا بلکہ وہ صحیح معنوں میں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔ انھوں نے ارمغان حجاز میں اس عشق کا ثبوت دیا ہے اور کہا ہے کہ: ''میں اس بڑھاپے میں اپنی پناہ گاہ اور اقامت گاہ کی طرف جارہاہوں، اس پرندے کی طرح جو سارادن اپنے دانے دنکے کے لیے صحرا میں ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے اور شام کے وقت وہ اپنے گھونسلے (اقامت گاہ) کی طرف چلا جاتاہے۔''(۱۳)

جب یہ بچپن میں صبح کے وقت قرآن پڑھا کرتے تھے تو ان کے والد نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کی ساخت پرداخت پر جو محنت کی ہے اس کا معاوضہ یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کرو۔ یہ بات انھوں نے سید سلیمان ندویؒ سے اس وقت کہی جب وہ کابل کے سفر سے سندھ اور بلوچستان کے پہاڑوں پر اپنی موٹریں دوڑاتے ہوئے آرہے تھے۔(۱۴)

علامہ اقبال کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا۔ عباداللہ فاروقی کے بقول، علامہ کے والد نے ایک موقع پر ان سے فرمایا: "تم قرآن کی تلاوت تو کرتے ہو، لیکن قرآن اس وقت تمہاری سمجھ میں آئے گا جب تمہیں اس کا یوں احساس ہو جیسے وہ تم پر نازل ہو رہاہو۔" علامہ اقبال اس پر حیران ہوئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد قرآن کسی کی فہم میں کیسے آ سکتا ہے۔ اس پر والد محترم نے جواباً فرمایا: "تم نے یہ کیسے فرض کرلیا کہ قرآن کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا؟" انہوں نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ انسانیت کو جس معراجِ کمال تک پہنچانا فطرت کا مقصود ہے، اس کا کامل نمونہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس میں پیش فرما دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مختلف مدارج جلوہ گر تھے، اور یہ تمام سلسلے گویا تکمیلِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مختلف مراحل تھے۔ اصولِ اساسی تمام انبیاء میں یکساں تھا، تاہم انسانی شعور کے ارتقائی سفر کے ساتھ ساتھ احکام کی تفصیلات میں تدریجی تکمیل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نبوت اپنی کامل ترین صورت میں جلوہ گر ہوئی اور درِ نبوت بند کر دیا گیا۔ یوں انسانیت اپنی معراجِ کبریٰ کو پا چکی۔ اب انسان کے سامنے کمالِ انسانیت کا کامل ترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت میں موجود ہے۔ چنانچہ جو شخص جتنا زیادہ "محمدی رنگ" میں رنگا جائے گا، اتنا ہی قرآن اس پر گویا نازل ہوتا

چلا جائے گا۔[١٥] یہی وہ مفہوم تھا جس کی وضاحت مقصود تھی: قرآنِ کریم اُس شخص کی فہم میں آ سکتا ہے جس پر وہ گویا نازل ہونا شروع ہو جائے۔

علامہ اقبال قرآن کو خاص دلسوزی سے تلاوت کرتے تھے۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کے اوراق ان کے آنسوؤں سے بھیگ جاتے تھے۔ علامہ اقبال کی تلاوت والا قرآن مجید اسلامیہ کالج کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اکبر الہٰ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "واعظ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے ہاں اس مطالعے سے اپنا اطمینان خاطر روز بہ روز ترقی کرتا جاتا ہے۔[١٦] چراغ حسن حسرت نے اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہم جن دنوں بھاٹی دروازے میں رہتے تھے ایک دفعہ اقبال پورے دو مہینے بڑی باقاعدگی سے تہجد کی نماز پڑھتے رہے۔ قرآن خوش لحانی سے پڑھتے تھے۔ ہم انھی کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اس زمانے میں کھانا پینا چھوڑ دیا تھا، بس شام کو تھوڑا سا دودھ پی لیا کرتے تھے۔ خدا جانے اس میں کیا رمز تھی۔"[١٧]

اقبال کے نزدیک قرآن نے مسلمان کو ایک نئی قرآنی تہذیب دی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس تہذیب کو اختیار کریں۔ یہ سچی تہذیب ہے اور اعلیٰ انسانیت سورۃ اخلاص اور سورۃ فاتحہ کے صراط مستقیم پر چلنے سے ممکن ہے۔ اللہ رب العالمین کی رحمتوں اور عبادتوں اور عقبیٰ کی میزان جزا و سزا پر اصرار کرتی ہے اور انسان کو معتدل بنا کر خود کو خود غرضی اور اقوام کو استحصال اور جوع الارض سے روکتی ہے۔[١٨]

احبابِ اقبال اُنھیں قرآنی مضامین کا ماہر تصور کرتے تھے۔ ایک مرتبہ محمد حسین عرشی نے علامہ اقبال سے سورۃ النجم کے پہلے رکوع کی تفسیر دریافت کی۔ اس پر علامہ نے نہایت مفصل خطاب فرمایا۔ بالخصوص آیت "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ" کی جو تشریح انہوں نے اپنے مخصوص فکری انداز میں پیش کی، وہ نہایت نادر و عجیب تھی۔[١٩] علامہ اقبال اپنے عہد کے غیر اسلامی افکار و نظریات سے مکمل طور پر اجتناب برتتے تھے۔ ایک موقع پر کسی اخبار نے اُن سے بالشویکی خیالات منسوب کیے، تو انہوں نے فوری طور پر ایک وضاحتی بیان میں ان کی سختی سے تردید کی۔ انہوں نے واضح الفاظ میں کہا: "میں مسلمان ہوں، اور میرا یہ عقیدہ ہے —جو محض عقیدہ ہی نہیں بلکہ دلائل و براہین پر مبنی ہے— کہ انسانی معاشروں کے مسائل کا بہترین حل قرآن مجید نے پیش کیا ہے۔" علامہ اقبال نے اس امر کا بھی اعتراف کیا کہ بلاشبہ سرمایہ دارانہ نظام جب حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو وہ دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت بن جاتا ہے، تاہم ان کے نزدیک اس کے مضر اثرات کا تدارک اس انداز سے ممکن نہیں جس کا

پرچار بالشویک نظریہ کرتا ہے، یعنی یہ کہ معاشی نظام سے سرمایہ داری کی قوت کو کلیتاً خارج کر دیا جائے۔[۲۰]

علامہ اقبال کو قرآن مجید سے حد درجے کی شیفتگی تھی اور اکثر احباب اسے موضوع گفتگو بناتے ہیں۔ اس ضمن میں اقبال اور قرآن ابو محمد مصلح کی مشہور کتاب ہے۔ دوسری کتاب اقبال کی روشنی میں ہے۔

دوسری کتاب قاضی محمد ظریف کی ہے۔ دونوں کتابیں بالترتیب ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۰ء سے شائع ہوئیں۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

مولوی ابو محمد مصلح صاحب کا پتا مجھے معلوم نہیں...... ان کی خدمت میں عرض کیجیے کہ مجھے اس کتاب کی ضرورت ہے جس میں انھوں نے بچوں کو قرآن پڑھانے کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ اس قاعدے کی مجھے جاوید کے لیے ضرورت ہے۔[۲۱]

اقبال کے نزدیک غربت اور افلاس وہ لعنتیں ہیں جو اسے تباہ کر دیتی ہیں۔ اقبال کے نزدیک قرآن کی تفہیم جو اسلامی تعلیمات کا اصل منبع ہے، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انھیں یہ محسوس نہ کرے کہ قرآن مجید اس پر اسی طرح نازل ہو رہا ہے۔ جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔[۲۲] اقبال نے غریبی کا مال بھی تلاش کیا وہ محنت کشوں کا ساتھ دیتے ہیں لیکن اس طرح کہ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کی عطا جدت کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار[۲۳]

اقبال نے اشتراکیت، سوشلزم اور کمیونزم کی کھل کر مخالفت کی۔ وہ اس کے فلسفۂ حیات کے سخت مخالف تھے۔[۲۴]

وہ کلیم بے تجلی وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر ا لیکن دربغل دار وکتاب[۲۵]

تصوف ایک ایسا مسئلہ ہے جو اقبال کے ساتھ خاص تعلق رکھتا ہے۔ ابتدا میں وہ تصوف کے قائل تھے۔ وحدت الوجود کے بھی قائل تھے۔ انھیں ہمہ اوست سے بہت لگاؤ تھا لیکن یورپ سے واپسی پر وہ

کچھ عرصہ تو خاموش رہے پھر تصوف کے خلاف مضمون لکھنے شروع کیے۔ دراصل اسرار خودی کے شائع ہونے پر ہندوستان کے صوفیا ان کے خلاف ہوگئے۔ اقبال نے حافظ شیرازی کے خلاف محاذ کھول دیا۔ وہ افلاطون کو بھی گوسفند ان قدیم میں شمار کرنے لگے تھے۔ ان کے والد صاحب نے فرمایا کہ اگر تم نام لیے بغیر اپنی بات کہہ سکو تو کیا حرج ہے۔

علامہ اقبال کی معروف تصنیف اسرارِ خودی کو بعض حلقوں نے تصوف پر حملہ قرار دیا۔ اس تنقید کے جواب میں علامہ اقبال نے اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اُس نے مجھے قرآن شریف کا یہ مخفی علم عطا فرمایا ہے۔ میں نے پندرہ برس تک قرآن کا مطالعہ کیا ہے، اور بعض آیات و سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں تک تدبر کیا ہے۔ یہ رائے طویل غور و فکر کے بعد مرتب ہوئی ہے اور میں ان نتائج تک ایک طویل فکری سفر کے بعد پہنچا ہوں۔[۲۶] اسی طرح، اقبال کے کلام پر ترقی پسند ادباء اور شعراء کی جانب سے تضاد (تناقض) کا اعتراض بھی اٹھایا گیا۔[۲۷] اس کے جواب میں اقبال نے نہایت حکمت و بصیرت کے ساتھ لکھا کہ معترض قرآن کریم کی تعلیمات سے بے بہرہ ہے۔ اسی طرح، اسلامی تصوف، مسئلہ خودی کی تاریخ اور میری تحریروں کے پس منظر سے بھی وہ کلیتاً ناآشنا ہے۔[۲۸] علامہ اقبال کا معمول تھا کہ وہ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور اس پر غور و خوض فرماتے۔ قرآن سے ان کی قلبی وابستگی اور روحانی انسیت کا عالم اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں، لیکن زندگی تنہائی میں بسر کرتا ہوں۔ جب ضروری مشاغل سے فراغت حاصل ہوتی ہے تو یا تو قرآن کی طرف رجوع کرتا ہوں، یا عالمِ تخیل میں قرونِ اُولیٰ کی سیر میں مشغول ہوتا ہوں۔[۲۹]

علامہ اقبال کو قرآن مجید اس قدر مستحضر تھا کہ وہ اکبر الٰہ آبادی یہ کہتے ہیں کہ: ''قرآن مجید کی یہ آیت بہت معنی خیز آیت ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ جیسے ایک نفس واحد کا معاملہ ہے۔ پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم مسلمان بجاطور پر یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ یہ ہم ہی تھے جو سب سے پہلے انسانیت کے اس بلند اور ارفع تصور پر عمل پیرا ہوئے، سارے مسلمان ایک نفس واحدہ کی طرح زندہ رہیں۔ اس کے بعد انھوں نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ[۳۰]

اے ایمان والو! تم اپنے نفسوں (یعنی اپنی اصلاح) کی فکر کرو، جب تم ہدایت پا چکے ہو تو جو کوئی گمراہ ہے وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں ان اعمال سے آگاہ کرے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

علامہ اقبال کی شخصیت کی تعمیر میں قرآن مجید کا بہت دخل ہے۔ قرآن مجید پر انھوں نے غور وفکر کیا۔ مسلمانوں کے مسائل کا حل بھی انھوں نے قرآن مجید سے پیش کیا۔ اسی قرآن مجید کے مطالعے سے وہ دنیا بھر کے فلسفیوں کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات نے انھیں کائنات پر غور وفکر کی توفیق بخشی۔ قرآن مجید ان کی زندگی پر اتنا اثر انداز ہے کہ کسی اور شخصیت یا کتاب نے ان کی شخصیت پر اتنا اثر نہیں ڈالا۔ (۳۱)

علامہ اقبال نے اپنی زندگی میں قرآن مجید پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ انھوں نے نوجوان نسل کو بھی یہ تلقین کی کہ وہ قرآن کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظر غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دینی مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔ (۳۲)

علامہ اقبال نے اپنی قوم کے پست طبقے کو اوپر اٹھانے کے لیے قرآن کا حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں ایک نیا مثالی دار العلم قائم کرنا چاہیے۔ جس کی مسند نشین اسلامی تہذیب ہو۔ وہ لوگ جنھوں نے تعلیم کا اصل اصول قائم کیا تھا کہ ہر مسلمان بچے کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہونا چاہیے۔ (۳۳)

علامہ اقبال تمام عمر قرآن مجید کو سینے سے لگائے رہے اور اس کی تلاوت کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیتے تھے۔ انہوں نے محمد حسین عرشی کے نام ایک خط میں لکھا کہ آپ اسلام اور اس کے حقائق سے لذت آشنا ہیں، اور اگر مطالعۂ مثنوی مولانا رومؒ سے دل میں حرارتِ شوق پیدا ہو جائے تو یہی کافی ہے، کیونکہ شوق خود مرشد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال نے مزید لکھا کہ وہ ایک عرصے سے عمومی مطالعۂ کتب ترک کر چکے ہیں، اور اگر کبھی کچھ پڑھتے بھی ہیں تو صرف قرآن یا مثنوی مولانا رومیؒ۔ (۳۴)

علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے الٰہ آباد میں ایک طویل خطبہ دیا جس میں کہتے ہیں کہ ایک قوم کو اپنے عقیدے کے مطابق آزادانہ ترقی کرنے کا حق ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق ضرورت پڑے تو ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی میرا فرض ہے۔ (۳۵)

اقبال قرآن مجید پر مسلسل غور وفکر کرتے اور اس سے نئے معانی اخذ کرتے تھے۔ حضرت آدمؑ کا قصہ جو تمام بڑے مذاہب میں مشترک ہے، اقبال اس کو اجتہاد کے تصور کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کسی مشکل کا حل درکار ہو تو بہتر یہ ہے کہ ہم اس قصے کی طرف رجوع کریں جو

حضرت آدمؑ سے متعلق ہے۔ اقبال کا کہنا ہے کہ قرآن مجید نے اگرچہ اس قصے کی بعض قدیم علامات کو برقرار رکھا ہے، لیکن اس کے نفسِ مضمون میں ایسی تبدیلی کی گئی ہے جس سے اس میں ایک نیا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے مطابق قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ قصص میں جزوی یا کلی تبدیلیوں کے ذریعے انہیں نئے خیالات کا حامل بنایا جائے تا کہ وہ زمانے کی ارتقائی رو کے ہم آہنگ ہو سکیں۔(٣٦) اسی تسلسل میں محمد حسین عرشی نے ایک مرتبہ علامہ اقبال سے سوال کیا کہ آیا اسلام مکمل طور پر قرآن میں محصور ہے یا قرآن کے علاوہ بھی دیگر مصادر مثلاً احادیث، روایات اور کتب فقہ کو شامل کیا جانا چاہیے؟ علامہ اقبال، جو ہمیشہ قرآن کے معانی پر غور کرتے رہتے تھے، نے ابتدا میں کہا: "مفصل کہو"، تو عرشی نے وضاحت کی کہ کیا اسلام قرآن ہی سے مکمل ہو جاتا ہے یا خارج از قرآن ذخائر کی شمولیت ضروری ہے؟ اس پر اقبال نے فرمایا کہ یہ چیزیں تاریخ اور معاملات سے متعلق ہیں اور ان کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف احکام کن ضروریات کے تحت مرتب کیے گئے؛ تاہم اصل دین، کامل اور مکمل صورت میں، قرآن مجید ہی میں موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ کے منشاء کو جاننے کے لیے قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔(٣٧)

اقبال کے پورے کام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ وہ نئے نئے نکات قرآن مجید سے نکالتے کہ عام علما تک ان کی وسعت و گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے۔ مرزا منور ان کی قرآن فہمی کے متعلق کہتے ہیں کہ پیغمبر کے پیام کی عملی روح کا نام اسلام تھا۔ یہ پیغام مکمل ہوا تو قرآن مجید کہلایا۔ پیغمبر کی تعلیمات اختتام پذیر ہوئیں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روپ میں جلوہ گر ہوئیں۔ پھر کسی مزید رسالت یا پیغام ہدایت کو نہیں آنا تھا۔ کسی رسول، پیغمبر کو تشریف نہیں لانا تھا۔ چونکہ قرآن ایک جاودانی ارشاد ہے لہٰذا وہ سراسر حرکت و عمل کا درس ہے۔ مگر حرکت خیر اور عمل خیر، اسی طرح قرآن حکیم میں مندرج آیات الٰہی کے مطابق جو شریعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشکیل فرمائی۔ وہ شریعت ہر دم حرکت پذیر ہے۔ وہ روح تازہ کی مالک ہے وہ تازہ بہار معانی کی خالق ہے۔(٣٨)

دنیا بھر کی خودی کی تاریخ انسانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک قرآن مجید نے تاریخی تنقید کا یہ معیار قائم کیا کہ علم اور افراد سیرت اور کردار کا جائزہ صحیح ہونا چاہیے اور اس کے لیے اخلاقی نیکی کو معیار بنانا چاہیے۔(٣٩)

علامہ اقبال بلند ادراک اور گہرے فہم و بصیرت کے حامل تھے، اور قرآن مجید کی آیات سے نئے معانی و نکات اخذ کرنے میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ اپنی انکساری کے تحت یہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ عام لوگوں سے زیادہ ذہین نہیں، تاہم وقتی استعداد کے لحاظ سے اپنے آپ کو قدرے فائق سمجھتے ہیں۔ اُن کا تصورِ خودی بھی قرآن مجید ہی سے ماخوذ ہے، اور تخلیقِ کائنات سے متعلق ان کا یہ نظریہ کہ اس کا بنیادی سبب صفۂ محبت کا اظہار ہے، قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے مطابق، قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق خدا نے کائنات کو "بالحق" پیدا کیا ہے، نہ کہ محض ایک کھیل کے طور پر، اور یہی نظریہ اُن کے تصورِ خودی کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ (۴۰)

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (۴۱)

قرآن پاک جبلی خواہشات کے حد سے متجاوز مطالبات کو ہوا (خواہشات) کا نام دیا ہے اور مومن کو بتایا ہے کہ ہوا کو روکنے سے ہی خدا کی وہ محبت پیدا ہوتی ہے جہاں وہ محبت کا حق دار ہوتا ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ (۴۲)

علامہ اقبال نے اپنا نظریہ خودی بھی قرآن سے اخذ کیا ہے۔ اقبال کا یہ نظریہ کہ خودی کا بنیادی سبب خدا کی محبت ہے۔ (۴۳)

علامہ اقبال نے شاہ ولی اللہ کی کتاب کے مطابق ایام اللہ کی قدر و قیمت کو جانا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں قرآن مجید کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے کہ قرآن کے نزدیک علوم کائنات کی کتنی اہمیت ہے۔ (۴۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے قرآن مجید کو کس نقطۂ نظر سے پڑھا ہے۔ اگرچہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قرآن کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (۴۵)

اقبال نے جب نواب بھوپال کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہو رہے ہیں ان کا جواب صرف قرآن مجید میں ہے۔ علامہ کا اپنا ارشاد یہی تھا کہ ان کے افکار کا سرچشمہ قرآن پاک اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (۴۶)

اقبال نے یونانی فلسفہ، رومی قانون سیاست، عیسائی مذہب اور یورپین قبائل کی عمومی تنقید کے علاوہ مغربی فکریات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ انھوں نے غفلت پرستی کے ساتھ جذبات پرستی اور فطرت پرستی کے رجحانات کو بھی نوٹ کیا۔ انھوں نے یورپین فلسفہ پر اپنے انداز کے مطابق بحث کی۔[۴۷]

اقبال ۱۹۲۲ء میں اپنے بھتیجے کو خط لکھتے ہیں کہ میں تمھیں قرآن پڑھنے پر زیادہ اصرار کرتا ہوں کہ اس کے پڑھنے کے فوائد میرے تجربے میں آ چکے ہیں۔[۴۸] اقبال نے نہرو کو قادیانیت کے بارے میں جو خط لکھا کہ مسلمانان ہند یہ سمجھتے ہیں کہ حق بجانب ہیں کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ اب ایسے حالات میں منطق یا تو سیاسی مصلحت کی بنا پر آگے بڑھ سکتی ہے یا قرآن وحدیث کی نئی تعمیر کے ذریعے۔[۴۹]

اقبال ایک خط میں اپنے فکری پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی کا بیشتر حصہ مغربی فلسفے کے مطالعے میں گزرا ہے، اور یہ نقطۂ نظر اس حد تک اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکا ہے۔ وہ روحانیت کے قائل ہیں، تاہم ان کے نزدیک روحانیت وہی معتبر ہے جو قرآنی مفہوم کے مطابق ہو۔[۵۰] مزید برآں، قرآن کریم میں جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر آیا ہے، ان کے اسماء کے املا کے حوالے سے اقبال استفسار کرتے ہیں کہ ان میں کون سے اسماء ہمزہ کے ساتھ آتے ہیں اور کون سے بغیر ہمزہ کے، یا کیا تمام اسماء بغیر ہمزہ کے ہیں؟ سن ۱۹۳۵ء میں تحریر کردہ ایک اور خط میں اقبال یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثالیں کتبِ فقہ میں موجود ہوں تو ان میں سے چند ایک کی نشان دہی فرما دی جائے۔[۵۱]

دنیا کے تمام مسائل کا حل قرآن مجید میں ہے، اقبال کو قرآن سے والہانہ عشق و محبت تھی۔ اس کا سراغ ہمیں ان کے کلام میں ملتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شعر میں قرآن مجید کی آیات ڈھلتی چلی گئی ہیں، علامہ اقبال نے قرآن مجید پر غور وخوض کرنے کے عمل کو زندگی کے کسی حصے میں بھی ترک نہیں کیا۔[۵۲] علامہ اقبال نے تصوف جو ہمارے ملک میں رائج ہے، اس کو جانچ پرکھ کر امام القشیری کی اس بات کو صحیح قرار دیا یعنی:

> جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عالم نہیں اس کی تقلید طریقت کے باب میں درست نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارے سارے علم کا ماخذ قرآن اور حدیث ہیں۔[۵۳]

اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی بنیادی تین وجوہات ہیں: ملوکیت، ملائیت اور تصوف، اور ان کے خیال میں ان تینوں عناصر نے امت مسلمہ کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ وہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کو مسلمانوں کی شوکت و عظمت کے لیے ناگزیر تصور کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کا

سیاسی تصور اس کے روحانی اور معاشرتی ڈھانچے سے جدا نہیں کیا جا سکتا[۵۴]۔ اقبال قرآن مجید کے ہر لفظ کا مطالعہ عصرِ حاضر کی سائنسی و فکری تحقیقات کی روشنی میں کرتے تھے اور اُن کے نزدیک فطرت کا صحیفہ آخری اور قطعی ذریعۂ علم ہے، جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر آیت "وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ" جیسے ارشادات نے علمائے اندلس کو اس علم پر خصوصی توجہ دینے کی ترغیب دی۔[۵۵]

علامہ اقبال مسلمانوں کے دور عروج کو واپس لانا چاہتے تھے لیکن اس کے لیے ایک یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت سے غافل نہیں تھے۔ اقبال کے نزدیک ......اسلام کا ظہور استقرائی عقل ظہور ہے۔ کیوں کہ قرآن نے حقیقت کے اس پہلو کو جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، بڑی اہمیت دی ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس نے محسوس اور ٹھوس حقائق کی اتنی ہی اہمیت دی ہے جتنی کہ مجرد اور غیر محسوس حقائق کو جو اس کی توازن اور اعتدال کی عمومی تعلیم کے عین مطابق ہے۔[۵۶]

اقبال احترامِ انسانیت کے قائل تھے اور ان کے نزدیک انسان کی انفرادیت وہ وصف ہے جس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔ وہ احترامِ انسانیت کو قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک جب قرآن یہ کہتا ہے کہ "دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو"، تو یہ انسان کی انفرادیت اور اس کے مقام کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اقبال کے مطابق یہ ایک ایسا اصول ہے جس کی حقیقی معنویت اُس وقت تک مکمل طور پر نہیں سمجھی جا سکتی جب تک اس کے اخلاقی اور قانونی پہلوؤں کو آگہی کے ساتھ نہ سمجھا جائے۔ ان کے نزدیک اسلام کا اخلاقی نصب العین ایک مضبوط جسم میں موجود ایک مضبوط قوتِ ارادی ہے۔[۵۷] اقبال کا قلم احیائے اسلام کے لیے ہمیشہ سرگرم رہا؛ وہ نہ صرف تنقید و اصلاح کرتے بلکہ حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ انہوں نے شاعر لمعہ کی شاعری پر تنقیدی اصلاح دی، جس کے جواب میں لمعہ نے اقبال کو قرآن مجید کا وہ نسخہ بطور تحفہ دیا جو انہیں محمد علی جوہر سے ملا تھا۔ یہ نسخہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا[۵۸]، اور اقبال نے اس کے مطالعے کا وعدہ کیا۔ اقبال کو امت مسلمہ کے زوال پر شدید رنج تھا، کیونکہ قرآن مجید میں واضح نص موجود ہے: "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا"[۵۹] یعنی "اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے مؤمنوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے"۔ پھر یہ زوال کیوں کر آیا؟ اقبال اس کا جواب بھی قرآن ہی سے اخذ کرتے ہیں: "اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا"[۶۰][۶۱] —"میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے"—اور یہی ترکِ قرآن ہی دراصل زوال کا حقیقی سبب ہے۔

اقبال نے شعر کی زبان میں اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن (۶۲)

علامہ اقبال علاج کی غرض سے بھوپال جایا کرتے تھے جہاں کے وزیرِ تعلیم و امورِ عامہ، سر راس مسعود، ان کے قریبی دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے ایک خط میں سر راس مسعود کو تحریر کیا کہ ان کی خواہش ہے کہ نوابِ بھوپال انہیں ریاست کی طرف سے پنشن عطا فرمائیں تا کہ وہ قرآن مجید پر کتاب لکھنے کے قابل ہو سکیں۔ (۶۳) علامہ اقبال کو قرآن مجید سے عمر بھر عشق رہا، اور وہ نمازِ فجر کے بعد باقاعدگی سے تلاوتِ قرآن کیا کرتے تھے۔ قرآن سے ان کی وابستگی اور اس کے مطالعے میں جس قدر محنت و جستجو شامل تھی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کے طالب علمی کے دور اور ابتدائی زمانے کے احباب بھی اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ نہایت سحر خیز اور مطالعے کے شائق تھے۔ عمر کے آخری حصے میں جب بیماری کے باعث تلاوت کا معمول موقوف ہو گیا، تو انہوں نے انتہائی حسرت کے ساتھ اس محرومی کا اظہار کیا۔ (۶۴)

در نفس سوز جگر باقی نہ ماند
لطف قرآن سحر باقی نہ ماند (۶۵)

علامہ اقبال ایک مدت سے قرآن مجید پر نوٹس تحریر کرنے کی خواہش دل میں لیے ہوئے تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ قرآن کے مضامین پر ایک جامع کتاب لکھیں۔ اس خواہش کا اظہار انہوں نے سر راس مسعود کو لکھے گئے ایک خط میں ان الفاظ میں کیا کہ چراغِ سحر ہوں، بجھنے کے قریب ہوں۔ یہ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں۔ جو تھوڑی بہت ہمت مجھ میں باقی ہے، اسے اسی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہوں۔ (۶۶) اقبال کو جدید علوم سے گہری دلچسپی تھی اور وہ سائنسی و فلسفیانہ تحقیقات سے باخبر رہتے تھے، تاہم ان کی فکری اساس ہمیشہ قرآن اور اسلامی علوم کے ماہر علما پر مرکوز رہی۔ وہ ان علما سے استفادے کو ضروری سمجھتے تھے اور اسی جذبے کے تحت انہوں نے حکیم برکات احمد ٹونکی کے رسالے اتقان العرفان فی ماہیت القرآن سے استفادہ کیا (۶۷)۔ سید سلیمان ندویؒ کو ایک خط میں انہوں نے استفسار کیا کہ: "حکیم برکات احمد کا رسالہ 'تحقیق زمان' مطبوعہ ہے یا غیر مطبوعہ؟ اگر مطبوعہ ہے تو عاریتاً کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے؟" انہوں نے مزید تحریر کیا کہ زمان و

مکان اور حرکت کی بحث اس وقت فلسفہ و سائنس کے اہم ترین مباحث میں شامل ہے، اور ان کی دیرینہ خواہش ہے کہ اسلامی فکر اور صوفیاء کے زاویۂ نظر سے یورپ کو روشناس کرایا جائے، جس کے وہ مثبت اثرات کی اُمید رکھتے ہیں۔(۶۸)

علامہ اقبال کو دنیا کے ممتاز ترین شعرا اور فلاسفہ میں شمار کیا جاتا ہے، اگرچہ انہوں نے بعض مواقع پر اپنی ان دونوں حیثیتوں کی نفی کی ہے۔ تاہم ان کے اس انکسار کے باوجود، علمی و ادبی دنیا انہیں عالمی سطح پر صفِ اوّل کے شعرا میں سرفہرست مانتی ہے۔ اقبال نے اپنی ذات اور فکری تجربات کے حوالے سے متعدد مواقع پر نہایت صاف گوئی سے اظہار خیال کیا ہے۔ خصوصاً اپنے علم و مطالعے کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ اسلام، اسلامی فقہ و سیاست، اور تہذیب و تمدن کے ادبیات کے مطالعے میں صرف کیا ہے۔ ان کے بقول، تعلیماتِ اسلامی کی روح سے مسلسل اور متواتر تعلق، جیسا کہ مختلف زبانوں میں اس کا اظہار ہوا ہے، انہیں اس مقام تک لے آیا کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک عالمگیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی کیا حیثیت ہے۔(۶۹)

علامہ اقبال کو اسلام واسلامی فقہ کے علاوہ قرآن و سنت سے بھی خاص لگاؤ تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت ابتدائی عمر ہی سے ان کی زندگی کا جزو رہی۔ وہ مدت عمر قرآن مجید پر غور و فکر کرتے رہے۔ قرآن مجید کے بعض پہلوؤں پر انھیں خاص علم حاصل ہوا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

میں نے پندرہ سال تک قرآن پڑھاہے اور بعض آیات اور سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیاہے۔(۷۰)

اقبال کو قرآن مجید پر غور وخوض کرنے کی نعمت ان کے والد محترم کی طرف سے ودیعت ہوئی۔ اقبال قرآن مجید پڑھتے وقت زار و قطار روتے تھے۔ آخری عمر میں بصارت کی کمزوری اور دیگر عوارض کے باعث تلاوت قرآن مجید سے باقاعدگی قائم نہ رہ سکی۔ انھوں نے بڑے درد و کرب کے ساتھ فرمایا:

در نفس سوز جگر باقی نہ ماند

لطف قرآن سحر باقی نہ ماند(۷۱)

علامہ اقبال کی قرآن فہمی، قرآنی بصیرت اور اس میدان میں ان کی گہری علمی لیاقت(۷۲)، نیز ان کی مجوزہ تصنیف مقدمۂ قرآن کی تیاری کے عزم، ان کی ادبی واسلامی خدمات اور دیگر اہم عوامل کی بنا پر نوابِ بھوپال نے انہیں پانچ سوروپے ماہوار وظیفہ عطا کیا۔(۷۳) اقبال کو اپنی فہم قرآن پر اس قدر اعتماد تھا کہ انہوں نے کہا: "آج دنیائے اسلام میں، میں ہی وہ واحد شخص ہوں جو اس کام کو انجام دے سکتا ہوں۔"(۷۴) ۱۹۲۹ء میں جب وہ علی گڑھ میں خطبات کے لیے تشریف لے گئے، تو ایک مجلس میں گفتگو کے دوران انہوں نے

اعتراف کیا کہ وہ گزشتہ بیس برس سے قرآن مجید کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں اور روزانہ اس کی تلاوت ان کا معمول ہے، تاہم اس کے باوجود وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ قرآن کے تمام حصوں کو مکمل طور پر سمجھ چکے ہیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ اگر خدا نے توفیق دی اور فرصت ملی تو وہ ایک دن اس حقیقت کو مفصل انداز میں قلم بند کریں گے کہ جدید دنیا نے اس مطمحِ حیات سے کس طرح ارتقا پایا، جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ انہیں امید تھی کہ یونیورسٹی ایسے اہلِ علم پیدا کرے گی جو اپنی زندگیاں مطالعۂ قرآن کے لیے وقف کر دیں گے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ اہلِ علم اس علمی اور روحانی مقصد کے لیے باہمی تعاون سے کام کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ گزشتہ چند برس سے وہ محض اپنے جسم کے مالک ہیں، مگر ان کی روح ہمیشہ خدمت کے لیے آمادہ رہی ہے، اور جب تک وہ زندہ ہیں، یہ روح خدمت میں مصروف رہے گی۔[۷۵]

علامہ اقبال کو اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کی حریت و آزادی کا ایسا ولولہ اور شوق عطا کیا کہ وہ مدت العمر اسی ایک مقصد کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ ان کے نزدیک دین اسلام قوت و غلبے کا نام ہے۔[۷۶] اگر مسلمانوں کو غلبہ و اقتدار حاصل نہیں تو انھیں غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ یہ جدوجہد ان پر واجب ہے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کو غالب کرنے کے لیے غزوات میں حصہ لیا اور تقریباً اٹھائیس غزوات میں شریک ہوئے۔[۷۷] زخم کھائے، زخموں سے چور ہوئے اور حق کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ اس جہاد و قتال کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا تھا، یہی حکم قیامت تک ملت اسلامیہ کے لیے ہے۔ علامہ اقبال اسی عزم و حوصلہ کے ساتھ مسلمانوں کو حریت و آزادی کے لیے جدوجہد کی تلقین کرتے ہیں۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر[۷۸]

علامہ اقبال کی زندگی میں اسی جذبے اور شعور سے عبارت ہے۔ انھیں بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ انھیں قرآن مجید کی تلاوت کا شوق بھی بچپن ہی سے تھا۔ قرآن مجید کی تعلیمات کے احکام کے آگے انھوں نے اپنی مرضی، خواہش اور آرزو ختم کر دی۔ قرآنی تعلیمات کی بالادستی تسلیم کر لی۔ کسی قسم کی حیل و حجت نہ کی۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ علامہ اقبال کی چھوٹی ہمشیرہ اپنی خوش دامن کے سخت مزاج، درشت لہجے اور کچھ عرصہ تک اولاد سے محرومی کے باعث والدین کے پاس سیالکوٹ واپس آ گئیں۔ کئی برس بعد ان کے سسرالی رشتہ دار صلح کے لیے سیالکوٹ پہنچے، اور اتفاقاً ان دنوں علامہ اقبال بھی وہیں موجود تھے۔

جب انہیں اس آمد کی خبر ملی تو انہوں نے سخت لہجے میں صلح سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں کو واپس بھیج دیا جائے۔ اس موقع پر علامہ کے والد محترم نے نہایت حکیمانہ انداز میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: 'وَالصُّلْحُ خَيْرٌ' (صلح بہتر ہے)"۔ یہ سننا تھا کہ علامہ اقبال خاموش ہو گئے، ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، جیسے کسی دہکتی ہوئی آگ پر برف کی سل رکھ دی گئی ہو۔ کچھ توقف کے بعد ان کے والد نے نرمی سے پوچھا کہ اب کیا فیصلہ کیا جائے؟ علامہ اقبال نے جواب دیا: "وہی جو قرآن کہتا ہے۔" چنانچہ مصالحت عمل میں آئی، اور چند روز بعد ان کے بہنوئی اپنی زوجہ، یعنی علامہ اقبال کی چھوٹی بہن زینب بی، کو رخصت کرا کے اپنے گھر لے گئے۔ (۷۹)

علامہ اقبال کو اپنی فکر و نظر کے صراطِ مستقیم پر یقین کامل تھا، اور اسی یقین کے تحت وہ اپنی شاعری کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر استوار کرتے تھے۔ اُن کی شاعری میں قرآنی صداقتوں کا اظہار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اقوامِ مشرق کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ زندگی میں کوئی حقیقی انقلاب اس وقت تک برپا نہیں ہو سکتا جب تک انسان کے باطن میں گہرائی سے تبدیلی نہ آئے؛ اور کوئی نئی دنیا ظاہری وجود میں نہیں آسکتی جب تک وہ پہلے انسانی ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ یہ فطری قانون، جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ" (۸۰)، زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے، اور اقبال نے اپنی فارسی تصانیف میں اسی قرآنی صداقت کو پیش نظر رکھا ہے۔ (۸۱) ان کے والد محترم نے بھی انہیں ہمیشہ اسلام کی خدمت کی ترغیب دی۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا کہ: "میں نے تمھاری تعلیم وتربیت پر جو محنت کی ہے، اس کا صرف ایک معاوضہ چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کرو۔" (۸۲)

علامہ اقبال کو بچپن ہی سے قرآن مجید کی تلاوت کا شوق تھا۔ ان کے والد محترم فجر کی نماز کے بعد جب مسجد سے واپس آتے تو اقبال کو تلاوت میں مشغول پاتے۔ ایک روز کا واقعہ، جسے خود علامہ اقبال نے بیان کیا، کچھ یوں ہے کہ کالج کے ابتدائی زمانے میں ان کا معمول تھا کہ نمازِ فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ ایک دن ان کے والد حسب معمول مسجد سے آئے اور اقبال کو تلاوت کرتے دیکھ کر معمول کے برعکس ان کے پاس بیٹھ گئے۔ اقبال تلاوت روک کر متوجہ ہوئے تو والد نے پوچھا: "کیا پڑھتے ہو؟" اقبال نے مؤدبانہ جواب دیا: "قرآن مجید۔" والد نے سوال کیا: "جو کچھ پڑھتے ہو، سمجھتے بھی ہو؟" اقبال نے جواب دیا کہ وہ تھوڑی بہت عربی جانتے ہیں، اس لیے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ والد نے خاموشی سے جواب سنا اور کمرے میں واپس چلے گئے۔ اقبال اس سوال پر حیران تھے کہ والد کا مدعا

کیا تھا۔ چند دن بعد ایک اور صبح جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو والد نے انہیں قریب بلا کر نرمی سے فرمایا: "بیٹا! قرآن مجید وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس پر اس کا نزول ہو۔ تم قرآن اس طرح پڑھا کرو جیسے یہ تم پر نازل ہو رہا ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو قرآن تمہارے وجود میں سرایت کر جائے گا۔" (۸۳) یہ نصیحت اقبال کی فکر و فہم پر دیرپا اثرات مرتب کرنے والی ثابت ہوئی۔

انھی ایام میں، جب اقبال صاحب فراش تھے، ایک عرب بھی روزانہ اقبال سے ملنے آیا کرتے تھے، جو انھیں قرآن شریف پڑھ کر سناتے... وہ نہایت خوش الحان تھے۔ اقبال جب کبھی ان سے قرآن مجید سنتے راقم کو بلوا بھیجتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے۔ ایک بار انھوں نے سورۃ مزمل پڑھی تو اقبال اتنا روئے کہ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ جب وہ ختم کر چکے تو آپ نے سر اٹھا کر راقم کی طرف دیکھا اور مرتعش لہجے میں بولے: تمھیں یوں قرآن پڑھنا چاہیے ........ راقم نے سردار بیگم کی وفات پر انھیں آنسو بہاتے نہ دیکھا تھا، مگر قرآن مجید سنتے وقت، اپنا کوئی شعر پڑھتے وقت یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم مبارک کسی کی نوک زبان پر آتے ہی ان کی آنکھیں امنڈ آتی تھیں۔ (۸۴)

عوامی ذوق اور عمومی فہم کے مطابق دینِ اسلام کو ایک نہایت سادہ دین تصور کیا جاتا ہے، اور قرآن کریم کو ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے، چاہے وہ اس کی قراءت سے بھی ناآشنا ہو۔ اکثر افراد یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ قرآنی مطالب کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں، اور اسی اعتماد کے تحت قرآن کی ایسی تشریحات کرتے ہیں گویا وہ اس کے معانی و مفاہیم کے ماہر ہوں۔ اسی نوعیت کے رجحانات پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال فرمایا کرتے تھے کہ "قرآن کریم اس اعتبار سے بڑا مظلوم صحیفہ ہے کہ جسے دنیا میں اور کوئی کام نہیں ملتا، وہ اس کے ترجمہ و تفسیر میں مصروف ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ نہایت نازک اور محتاط ذمہ داری ہے۔" (۸۵) علامہ اقبال کو مسلمانوں کے حالات پر گہرا افسوس تھا، اور وہ دنیا کے عمومی حالات کو بھی بگڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو انہوں نے سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں لکھا کہ دنیا اس وقت عجیب کشمکش سے دوچار ہے: جمہوریت زوال پذیر ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے؛ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے؛ سرمایہ داری کے خلاف ایک عظیم جہاد جاری ہے؛ اور تہذیب و تمدن، بالخصوص یورپ میں، حالتِ نزع میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا متقاضی ہے، اور ایسے میں اقبال نے سوال اٹھایا کہ ان حالات میں اسلام کس حد تک اس جدید تشکیل میں ممد و معاون ہو سکتا ہے؟ (۸۶)

۱۲ستمبر ۱۹۳۱ء کو دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے "ملوجا" جہاز پر سوار ہونے سے چند گھنٹے قبل بمبئی کرانیکل کے نمائندے کو انٹرویو دیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ آپ نے ایک خط میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ بالشوازم میں اگر خدا کے تصور کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ اسلام ہو گا۔ کیا وہ اب بھی اس نظریے کے حامی ہیں؟ جواب دیا کہ اسلام ایک سوشلسٹ مذہب ہے۔ قرآن مجید انفرادری ملکیت اور مکمل اشتراکیت کے بین بین نظام قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔[۸۷]

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال اور سر راس مسعود کی ملاقات کابل کے قصرِ دلکشا میں نادر شاہ سے ہوئی۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے نادر شاہ کو قرآن مجید کا ایک نسخہ بطور تحفہ پیش کیا۔ ملاقات کے دوران عصر کی نماز کا وقت آن پہنچا، تو نادر شاہ نے علامہ اقبال سے امامت کی درخواست کی۔ اقبال نے نہایت وقار سے جواب دیا کہ: "نادر! میں نے اپنی زندگی ایک عادل بادشاہ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کی تمنا میں گزاری ہے، اور آج جب کہ خدا نے اس فقیر کی مراد پوری کرنے کا سامان مہیا کر دیا ہے، تو کیا تو مجھے اس نعمت سے محروم رکھنا چاہتا ہے؟ آج میں تیری اقتدا میں نماز ادا کروں گا؛ امامت تجھے کرنی ہو گی۔"[۸۸] اقبال کے فکری و عملی نظام کا بنیادی منبع قرآن حکیم ہے، اور ان کی فکر کا مرکز شریعتِ محمدی اور فقہِ اسلامی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کے فلسفے اور اجتہادی صلاحیتوں کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے، تو بلاتردد کہا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال امت مسلمہ کے ایک عظیم مجتہد، امام اور فقیہ کی حیثیت رکھتے تھے۔[۸۹] علامہ اقبال نے اپنے سات خطبات میں قرآن کے حوالے سے حیات وکائنات کے اسرار و رموز سے متعلق نکات بیان کیے ہیں۔

علامہ اقبال نے سید سلیمان ندویؒ سے کئی استفسارات کیے کہ قرآنی آیات کو نص قطعی مانتے ہوئے بعض مسائل کا حل اجتہاد کی صورت میں کیسے مل سکتا ہے۔ سید سلیمان ندوی سے پوچھے گئے سوالات کا تعلق وحی، علومِ قرآنی اور اصولِ فقہ سے ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

اوّل، قرآن مجید ایک کامل کتاب ہے جو خود اپنے کمال کی دعوے دار ہے، اور اس کمال کو عملی سطح پر واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ عالمی اقوام میں رائج اصولِ معاملات پر قرآن کے نقطۂ نظر سے تنقیدی تجزیہ کیا جائے؛ سوال یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے کن ذرائع کو بروئے کار لایا جائے؟

دوم، کیا امت کا اجماع نصِ قرآنی کو منسوخ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟

سوم، اگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسئلے کا جواب وحی کی بنیاد پر دیا، تو وہ امت کے لیے حجت ہے اور وہ وحی قرآن میں داخل ہو گئی؛ لیکن اگر کوئی جواب محض اجتہاد و استدلال پر

مبنی تھا اور وحی اس میں شامل نہ تھی، تو کیا وہ بھی حجت قرار پائے گا؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام اجتہادات بھی وحی کا حصہ ہیں، یا دوسرے الفاظ میں قرآن و حدیث میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔

چہارم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں: ایک نبوت، دوسری امامت؛ نبوت کے دائرے میں قرآنی احکام اور آیات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا استنباط شامل ہے، جبکہ اجتہاد کا مدار محض عقلِ بشری، تجربہ اور مشاہدہ پر ہے۔ کیا اس نوع کے اجتہادی افعال بھی وحی کے زمرے میں آتے ہیں؟ اگر ہاں، تو اس پر کیا دلیل ہے؟

پنجم، متکلمین میں بعض نے علمِ مناظرہ و ردّیہ کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا رویت ممکن ہے؛ اس حوالے سے سوال ہے کہ یہ بحث کن مصادر میں ملے گی؟ اسی سے متعلق روایتِ باری کے بارے میں استفسار اس لیے کیا گیا کہ ممکن ہے اس بحث سے آئن سٹائن کے نظریۂ نور کے فہم میں کوئی روشنی حاصل ہو۔

ششم، آپ نے فرمایا کہ فقہا نے اجماع کے ذریعے نص کی تخصیص کو جائز قرار دیا ہے؛ سوال یہ ہے کہ کیا اس کی کوئی عملی مثال موجود ہے؟ اور کیا یہ تخصیص یا تعمیم صرف صحابۂ کرامؓ کے اجماع سے ممکن ہے یا امت کے علما و مجتہدین بھی اس کے مجاز ہیں؟ اگر تاریخِ اسلام میں صحابۂ کرامؓ کے بعد ایسی کوئی مثال موجود ہو تو آگاہ فرمائیے۔ مزید یہ کہ تخصیص یا تعمیم حکم سے کیا مراد ہے؟ اور اگر صحابہؓ کا کوئی حکم نصِ قرآنی کے خلاف واقع ہو تو کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ان کے علم میں کوئی ناسخ موجود تھا؟ کیا ایسی کوئی نظیر موجود ہے کہ صحابہؓ نے کسی قرآنی حکم کے خلاف کوئی حکم نافذ کیا ہو؟

ہفتم، وحیِ غیر متلو کی نفسیاتی تعریف کیا ہو سکتی ہے؟

اقبال کو اپنی فکر و نظر میں جب بھی کوئی بنیادی تبدیلی نصیب ہوئی، وہ ہمیشہ قرآن فہمی کے باعث ممکن ہوئی۔ مشرق و مغرب کی فکری کشمکش اور نظریاتی تصادم نے اہلِ علم کو گہرے غور و فکر پر مجبور کر دیا، اور اقبال بھی اسی تناظر میں قرآن کی طرف متوجہ ہوئے اور بالآخر درست نتیجے تک پہنچے۔ خود علامہ اقبال نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ان کا فطری اور آبائی میلان ابتدا ہی سے تصوف کی جانب تھا، اور یورپی فلسفہ کے مطالعے نے اس رجحان کو مزید تقویت بخشی، کیونکہ یورپی فکر مجموعی طور پر نظریۂ وحدت الوجود کی جانب مائل نظر آتی ہے۔ تاہم، جب انہیں قرآن مجید پر تدبر کا موقع ملا اور تاریخِ اسلام کا عمیق مطالعہ کیا، تو انہیں اپنے سابقہ فکری رجحان کی غلطی کا شعور حاصل ہوا۔[۹۰]

علامہ اقبال اصولی طور پر مغربیت کے مخالف تھے، تاہم وہ جدیدیت اور تجدید کے ہمیشہ قائل رہے[۹۱]۔ ۴مارچ ۱۹۲۷ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے حبیب ہال میں "مذہب اور سائنس" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ مذہب، فلسفہ، طبیعیات اور دیگر علوم و فنون مختلف راستے ضرور ہیں، لیکن سب کی منزل ایک ہی ہے۔ ان کے نزدیک مذہب اور سائنس کا باہمی تصادم کوئی اسلامی تصور نہیں، کیونکہ علوم جدیدہ اور فنون حاضرہ کے دروازے کھولنے والے خود مسلمان تھے، اور انہی کے ذریعے دنیا نے منطق اور استقرائی طریقِ تحقیق سیکھا۔ اقبال کے نزدیک سائنس اور مذہب کا تصادم غیر اسلامی تصور ہے، کیونکہ قرآن مجید انسان کو بار بار مشاہدے اور تجربے کے ذریعے علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق، اگر انسان فطرت کی قوتوں پر قابو پالے، تو وہ ایسی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے جو ستاروں سے بھی آگے ہوں۔[۹۲] علامہ اقبال نے اپنے کلام میں قرآن مجید کے مضامین بیان کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

گوہر دریائے قرآں سفتہ ام
شرحِ رمز صبغت اللہ گفتہ ام [۹۳]

قرآن مجید کی تلاوت کے حوالے سے یہ سوال کہ آیا اس کو سمجھ کر اور غور و فکر کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے یا محض قرأت ہی کافی ہے، علامہ اقبال کی رائے میں محض تلاوت بھی نسبت محمدیہ کے حصول کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ایک عظیم روحانی سعادت ہے، اور روحانی ترقی کے لیے قرآن کی کثرت سے تلاوت اس نسبت کو پیدا کر سکتی ہے، خواہ قاری قرآن کے معانی سے پوری طرح واقف نہ بھی ہو؛ اخلاصِ دل کے ساتھ کی جانے والی قرأت بذاتِ خود اثر رکھتی ہے۔ علامہ اقبال صحیح معنوں میں قرآن مجید کے عاشق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائی تھے۔ ان کی تفسیری کاوشیں غیر معمولی نوعیت کی حامل تھیں، کیونکہ وہ جدید علوم پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور قرآن مجید کو عصری سائنسی اور فکری تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی بعض تعبیرات اور تفسیری نکات اتنے نادر اور عمیق ہوتے کہ وہ انسانی عقل کی عام سطح سے ماورا محسوس ہوتے۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یسیں وہی طٰہٰ [۹۴]

جب مکہ کے سارے قبیلوں کے سردار جمع ہو کر ابو طالب سے شکوہ کرنے آئے تھے کہ تمھارے بھتیجے کو اب خاموش ہو جانا چاہیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"اے چچا اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر لار کھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور خدا کے حکم میں ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ اس کام میں خواہ میری جان بھی چلی جائے۔(۹۵)

علامہ اقبال کی زندگی کا ہر پہلو قرآن مجید سے گہرا مربوط تھا۔ ان کا بچپن ہی سے قرآن سے والہانہ لگاؤ، ان کے والد کی نصیحت، اور بعد ازاں ان کی فکری و ادبی خدمات سب کا مرکز و محور قرآن حکیم رہا۔ اقبال نے قرآن کو نہ صرف پڑھا بلکہ اس پر غور و فکر کر کے اس کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک قرآن صرف ایک کتابِ ہدایت نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ ان کی شاعری، فلسفہ، سیاسی افکار اور سماجی نظریات سب قرآن کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔ اقبال نے قرآن کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور مسلمانوں کو بھی یہی پیغام دیا کہ قرآن کے بغیر نہ ان کی فردی زندگی سنور سکتی ہے اور نہ اجتماعی حیات۔ ان کا ماننا تھا کہ مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ قرآن سے دوری ہے، اور ان کی عظمتِ رفتہ کا راز دوبارہ قرآن کی طرف رجوع کرنے میں پوشیدہ ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک قرآن کی خدمت کا عزم کیے رکھا اور چاہا کہ وہ قرآن پر ایک جامع کتاب لکھ کر امت کو علمی ورثہ فراہم کریں۔ علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر قرآن کی زندہ تفسیر ہے۔ ان کا یہ اقرار کہ "اگر میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہوں تو مجھے ختم کر دیا جائے" ان کے دل میں قرآن کے مقام و مرتبے کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کی زندگی کا سبق یہی ہے کہ قرآن ہی وہ کتاب ہے جو فرد اور قوم دونوں کو راہِ راست پر گامزن کر سکتی ہے۔ اقبال نے جو چراغِ ہدایت روشن کیا، وہ قرآن کی روشنی تھی، اور آج بھی امتِ مسلمہ کے لیے یہی روشنی کامیابی کی ضامن ہے۔

***

# حوالہ جات و حواشی

(۱) جاوید اقبال، ڈاکٹر، جسٹس (ر)(۱۹۸۵ء) زندہ رود (۱)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، نقوش آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء

(۲) سلیمان ندوی، سید، اقبال کے پیغام کا متن اور شرح، رسالہ جوہر (مدیر: سید محمد حسین)، اقبال نمبر، نومبر ۱۹۳۸ء، ص۱۹–۳۱

(۳) البقرۃ۲: ۱۸۵
(۴) النحل۱۶: ۱۰۲
(۵) السجدہ۳۲: ۳
(۶) الزمر۳۹: ۳
(۷) محمد اکرم سید،ڈاکٹر،اقبال اور ملی تشخص،بزم اقبال،لاہور،۱۹۹۸ء
(۸) عطیہ فیضی،اقبال (مترجم:ضیاءالدین برنی)،اقبال اکیڈیمی، کراچی، ستمبر ۱۹۵۶ء
(۹) حسن نظامی،خواجہ،اتالیق خطوط نویسی،حلقہ شائع بک ڈپو دہلی،۱۹۲۹ء
(۱۰) الجمعہ ۶۲: ۴
(۱۱) صحیفہ ۱۹۹۳ء،ص۱۳۷
(۱۲) محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۷۳ء، ص۱۶۸
(۱۳) محمد اقبال،ڈاکٹر،ارمغان حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، س ن، ص ۹۰۴
(۱۴) سلیمان ندوی، سید، اقبال کے پیغام کا متن اور شرح، رسالہ جوہر (مدیر:سید محمد حسین)،اقبال نمبر،جامعہ ملیہ دہلی، ۷۔۲۔انڈیا،نومبر ۱۹۳۸ء،ص۱۹
(۱۵) مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال،اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۳ء، ج۱،ص۴۱۷
(۱۶) فکر و نظر اسلام آباد،۱۹۷۶ء،ص۱۱۹
(۱۷) چراغ حسن حسرت،مولانا،اقبال نامہ، تاج کمپنی قرآن منزل،لاہور، س ن،ص۱۸
(۱۸) عبداللہ سید،ڈاکٹر،مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ،بزم اقبال،لاہور،جون ۱۹۸۴ء،ص۹۵
(۱۹) محمد حسین عرشی،محمداقبال قریب سے ،مرتبہ: محمود نظامی، آتش فشاں،لاہور، ۲۰۰۳ء،ص۴۳
(۲۰) زمیندار، لاہور، ۲۴جون ۱۹۳۳ء،بحوالہ اقبال جادو گرہندی نژاد عتیق صدیقی، نئی دہلی، اگست ۱۹۸۰ء،ص۱۰۲
(۲۱) محمد عبداللہ چغتائی،ڈاکٹر،اقبال کی صحبت میں،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور، ۱۹۷۷ء،ص۴۶۷
(۲۲) سمیع اللہ قریشی،افکار اقبال،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۱۹۸۳ء،ص۷۵
(۲۳) محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۷۳ء،ص۵۹۸
(۲۴) محمد صدیق قریشی، اقبال ایک سیاست دان،مقبول اکیڈمی،لاہور، ۱۹۷۷ء،ص۱۸۴
(۲۵) محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۷۳ء،ص ۶۵۰
(۲۶) محمد عبداللہ قریشی،مکاتیب اقبال بنام گرامی ،اقبال اکادمی، پاکستان،لاہور طبع اول،اپریل۱۹۶۹ء،ص۱۲۵
(۲۷) غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،اقبال ایک مطالعہ،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۱۹۸۷ء،ص۲۳۸
(۲۸) ڈار،بشیر احمد، انوار اقبال،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،مارچ۱۹۷۶ء،ص۲۳۷

(٢٩) خان نیاز خان، مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ١٩٨٦ء، ص ٢٥
(٣٠) المائدہ ٥: ١٠٥
(٣١) ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، نشریات اسلام کراچی، ١٩٨٣ء، ص ٦١
(٣٢) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، خطوط اقبال، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ١٩٧٦ء، ص ١٥٧
(٣٣) عبدالواحد معینی، سید، مقالات اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ١٩٨٨ء، ص ١٧٤
(٣٤) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ملفوظات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ١٩٧٧ء، ص ٥٧
(٣٥) ندیم شفیق ملک، ڈاکٹر، علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ٢٠١٣ء، ص ١٠٦
(٣٦) نذیر نیازی، سید، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال، لاہور، مئی ١٩٨٤ء، ص ١٢٣
(٣٧) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ملفوظات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ١٩٧٧ء، ص ٧٠
(٣٨) محمد منور، پروفیسر، قرطاس اقبال، اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور، ١٩٩٨ء، ص ١٥٦
(٣٩) محمد عبداللہ، ڈاکٹر، مقاصد اقبال، علمی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، ١٩٨١ء، ص ١٠٥
(٤٠) محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمت اقبال، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ١٩٩٦ء، ص ١٣٣
(٤١) الدخان ٤٤: ٣٨، ٣٩
(٤٢) النازعات ٧٩: ٤٠، ٤١
(٤٣) محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمت اقبال، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ١٩٩٦ء، ص ١٣٣
(٤٤) محمد شہاب الدین ندوی، اسلام اور جدید سائنس، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن، ص ٥٧
(٤٥) ایضاً، ص ٥٥
(٤٦) ڈاکٹر نسیمہ ترمذی، ڈاکٹر سہیل برکاتی، آئی پی ایس، بحریات قرآن کریم کی روشنی میں، نصر چیمبرز، اسلام آباد، جنوری ١٩٨٥ء، ص ٣
(٤٧) خالد علوی، ڈاکٹر، اقبال اور مسلم تشخص، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ٢٠٠٣ء، ص ٢٨
(٤٨) اعجاز احمد، شیخ، مظلوم اقبال، بی ٢١٣، داؤد پوتا روڈ کراچی، ص ٣٢٤
(٤٩) لطیف احمد شروانی، حرف اقبال، ثناء اللہ خان، پبلشرز، ریلوے روڈ لاہور، ص ١٤٣
(٥٠) آل احمد سرور، اقبال اور ان کا فلسفہ، مطبع عالیہ، لاہور، ١٩٧٧ء، ص ١١٢
(٥١) سید شفقت رضوی، سر محمد اقبال بنام سید سلیمان ندوی، ص ١٠٥
(٥٢) محمد عابد، افکار اقبال، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ١٩٨٦ء، ص ١٤
(٥٣) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، اقبال اور مسلک تصوف، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ١٩٧٧ء، ص ٧٠
(٥٤) حسین محمد جعفری، سید، اقبال فکر اسلامی کی تشکیل جدید، پاکستان اسٹڈی سنٹر جامعہ کراچی، ١٩٨٨ء، ص ٧٩

(۵۵) ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، ملفوظات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۴۷

(۵۶) بختیار حسین صدیقی، ڈاکٹر، اقبال بحیثیت مفکر تعلیم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۵۷

(۵۷) جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود (۳)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۱۸۶

(۵۸) محمد عبد اللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، مجلس ترقی ادب، لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۱۸۶

(۵۹) النساء ۴: ۱۴۱

(۶۰) الفرقان ۲۵: ۳۰

(۶۱) حق نواز، اقبال اور لذت پیکار، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، نومبر ۱۹۸۴ء

(۶۲) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۳

(۶۳) جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود (۲)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۸۷ء، ص ۵۵۰

(۶۴) صہبا لکھنوی، اقبال بھوپال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، دوم، ۱۹۸۲ء، ص ۳۴۲

(۶۵) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۸۴۶

(۶۶) ولی حیدر، سید، اقبال اپنے خطوط میں، لکھنو، مکتبہ دانیال، عبد اللہ ہارون روڈ کراچی، جنوری ۱۹۹۷ء، ص ۴۷

(۶۷) عبد الرؤف عروج، رجال اقبال، نفیس اکیڈمی، کراچی، مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۱۳۸

(۶۸) اختر راہی، اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں، بزم اقبال، لاہور، مارچ ۱۹۷۸ء، ص ۱۶۵

(۶۹) فرحت بانو، پروفیسر، (مرتبہ) خطبات اقبال، حالی پبلشنگ ہاؤس، کتاب گھر دہلی، ۵ اپریل ۱۹۴۶ء، ص ۲۵-۲۶

(۷۰) محمد عبد اللہ قریشی، مکاتیب اقبال بنام گرامی، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۳۲۵

(۷۱) محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، مثنوی، پس چہ باید کرا سے اقوام مشرق کے ساتھ، ۱۹۷۷ء، ص ۵۰

(۷۲) مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۶۹۴

(۷۳) شیخ عطاء اللہ، (مرتبہ)، اقبال نامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۳

(۷۴) اخلاق اثر (مرتب)، اقبال نامے، طارق پبلی کیشنز، صادق منزل، چوکی امام باڑہ، بھوپال، ۱۹۸۱ء، ص ۴۸

(۷۵) اصغر عباس، سر سید اقبال اور علی گڑھ، ایجوکیشن بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۷ء، ص ۵۰

(۷۶) جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود (۳)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۶۶۱

(۷۷) صفی الرحمن مبارک پوری، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ، شیش محل لاہور، ستمبر ۱۹۸۷ء

(۷۸) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۳۶۵

(۷۹) وحید الدین فقیر، سید، روزگار فقیر (جلد دوم)، کراچی، پاکستان، ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۴

(۸۰) الرعد ۱۳: ۱۱

(۸۱) محمد اقبال، ڈاکٹر، پیام مشرق، ۱۹۵۸ء، ص ۴

(۸۲) مجلّہ جوہر اقبال نمبر، ص ۲
(۸۳) نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۱۶، میکلوڈ روڈ، لاہور، اشاعت اول ۱۹۷۱ء
(۸۴) جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود (۳)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۶۱۸
(۸۵) جاوید اقبال، ڈاکٹر، جسٹس (ر) (۱۹۸۵ء) زندہ رود (۱)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، نقوش آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء، ص ۸۱
(۸۶) عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ (اول)، شیخ محمد اشرف اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۴ء، ص ۱۸۹
(۸۷) بی اے ڈار، اقبال کے خطوط اور تحریریں (انگریزی)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۵۴–۵۵
(۸۸) ظہیر الدین، ڈاکٹر، پروفیسر، اقبال کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی، مکتبہ پریس حیدر آباد دکن، انڈیا، ۱۹۵۴ء، ص ۹۶–۹۷
(۸۹) محمد علی شیخ، نظریات و افکار اقبال، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۲۳–۲۴
(۹۰) رحیم بخش شاہین، اوراق گم گشتہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص ۴۷
(۹۱) جاوید اقبال، ڈاکٹر، جسٹس (ر) (۱۹۸۵ء) زندہ رود (۱)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، نقوش آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء، ص ۶۵۹
(۹۲) محمد رفیق افضل، گفتار اقبال، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۲۲–۲۳
(۹۳) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۸۸۲
(۹۴) الطاف حسین، اقبال اور اسلامی معاشرہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵
(۹۵) غلام مصطفی خاں، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اول ۱۹۸۸ء، ص ۱ تا ۵